مسلسل اشاعت کے 51 واں سال

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

بانی: ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ ضیائے حرم لاہور / اسلام آباد

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

مجلس مشاورت

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی — ڈاکٹر ایس ایم زمان

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن — پیرزادہ امداد حسین

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس — ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی — محمد اسلم الوری

جلد 51 شمارہ 01 صفر المظفر ۱۴۴۲ھ اکتوبر ۲۰۲۰ء

پیر محمد امین الحسنات شاہ

پروفیسر حافظ احمد بخش (ایڈووکیٹ)

محبوب الرحمن

چوہدری محمد عنایت گجال ◆ محمد علی ولانہ

کمپوزنگ و ڈیزائننگ: عقیل عباس

فہرست مضامین

سر دلبراں	مدیر	3
درود و سلام کی کچھ عربی کتب کا تعارف	عابد حسین شاہ پیرزادہ	15
حیاء سوز واقعات کے اسباب اور ان کا تدارک	ضیاء المصطفیٰ	29
حضرت حمید الدین سیالویؒ: حیات و خدمات	پیر فاروق بہاؤ الحق شاہ	39
اک گوہر نایاب	راشد عزیز وارثی	45
نصاب روحانیت......قابل توجہ اُمور	سراج الدین امجد	52
ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے تیئسویں عرس مبارک کی روداد	میاں محمد عباس	56
تبصرہ کتب	حافظ مدثر فاروق	70

رابطہ

اسلام آباد آفس (انتظامی امور) خیابانِ کرم، نکری روڈ، چک شہزاد، اسلام آباد

E-mail:ziaeharam@gmail.com

انگلینڈ آفس: Jamil Akram
Zia-ul-Ummah Foundation
8 Allison Avenue Retford DN22 7JR England,UK
Phone: 0044 (0) 7958 950496
E-mail: j.akram@ziaulummah.org

سرکولیشن آفس: دفتر ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ ضلع سرگودھا۔

اکاؤنٹ نمبر: IBAN-PK 80 UNIL 0112 0226 01046535
ٹائٹل آف اکاؤنٹ: Zia e Haram
UBL Bhera, Distt Sargodha

اپنے نام جاری کروانے اور سابقہ چندہ ختم ہونے کی صورت میں دیے گئے اکاؤنٹ میں رقم بھیج کر موبائل نمبر 0301-6940813 پر رابطہ کریں یا بذریعہ خط سرکولیشن آفس کو مطلع کریں۔

قیمت فی شمارہ ۵۰ روپے

زرِ تعاون سالانہ: سادہ ڈاک ۵۶۰ روپے، رجسٹرڈ ڈاک ۷۶۰ روپے، بذریعہ وی پی ۱۰۰ روپے اضافی ڈاک خرچ

بیرون ملک: امریکا، کینیڈا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، افریقہ وغیرہ ۶۰ ڈالر سالانہ۔
برطانیہ ۳۵ پونڈ سالانہ، دیگر یورپی ممالک ۴۰ یورو سالانہ، مشرق اوسط و دیگر ایشیائی ممالک ۳۵ ڈالر سالانہ

ماہنامہ ضیائے حرم میں شائع ہونے والے تمام اشتہارات نیک نیتی کے جذبے سے شائع کیے جاتے ہیں۔
ادارہ کسی بھی اشتہار کے مندرجات کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے لین دین میں فریق ہے۔

شمارہ میں شائع ہونے والی نگارشات کے نفس مضمون کی ذمہ داری لکھنے والوں پر ہے۔

پیر محمد امین الحسنات شاہ نے انٹر گرافک پرنٹرز سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ضیائے حرم، خیابانِ کرم، چک شہزاد، اسلام آباد سے شائع کیا۔

نصابِ روحانیت......قابلِ توجہ اُمور

سراج الدین امجد

روحانیت کے مضمون کو نصاب کا حصہ بنانے کے حکومتی اعلان پر ملا جلا ردِ عمل قرینِ فہم ہے۔ کچھ طبقات نے تحسین کی ہے تو کچھ حلقے روایتی طعن و تشنیع میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ غیر متوقع نہیں کیونکہ جس معاشرے میں علم و حکمت اور تجدیدِ دین کے عنوان سے جملہ حقوق اپنے نام سمجھنے والے مفکرین تصوف و روحانیت کو "متوازی دین" قرار دیتے ہوں اور خانقاہ و مزار سے وابستہ لوگ اُستخواں فروشی اور استحصالِ دینی کے نمونے بن جائیں۔ نیز درگاہیں خرافات و رُسومات کا ایک جہاں آباد کیے ہوں تو روحانیت کے نام پر انتہا پسندانہ آرا اور یک رخا ردِ عمل خلافِ قیاس نہیں۔ تاہم کچھ پڑھے لکھے احباب کی آراء/خیالات سن پڑھ کر زیادہ مایوسی ہوئی کہ بنیادی مقدمات ہی درست نہیں۔ حکومتی پالیسی کے حُسن و قبح اور پسِ پردہ محرکات پر بحث کیے بغیر ہم اصل مسئلہ کے بارے چند نکات پر غور کر لیں تو شاید کچھ سوالات کا جواب مل جائے اور ہیجان خیز ردِ عمل کی نفسیات سے مغلوب ہونے کی بجائے ہم کسی تعمیری سرگرمی کا حصہ بن سکیں۔

۱۔ جب کبھی تصوف کو نصاب کا حصہ بنانے کی بات ہوئی تو یہ ناچیز اپنے احباب اور حلقہ تعلّق میں ہمیشہ اس کا مُوید رہا کیونکہ اس کی ایک بنیادی وجہ ہمہ گیر اَخلاقی ابتری کی پیش بندی ہے۔ اس سے اختلاف نہیں کہ ہم سینکڑوں مسائل میں گرفتار ہیں اور نکبت و اِدبار گویا ہمارا مقسوم بن چکا لیکن من حیث القوم ہمارا ایک بڑا مسئلہ "زوالِ اخلاق" ہے۔ تربیتِ تعلیم سے وابستہ ہی نہ رہی تو اخلاقی تزکیہ کا رونا کس سے روئیں۔ گھر کی چار دیواری اس کی امین بنی اور نہ ہی درسگاہِ علمی اس کی ضمانت دے رہی ہے۔ لہٰذا کسی درجے میں ہی سہی روحانیت کو نصاب کا حصہ بننا چاہیے۔ کم از کم نئی نسل فکری و نظری طور پر ہی اخلاقیات کی اہمیت سے آشنا ہو۔ اس بات میں کسے اختلاف ہوگا کہ انسانی طبائع موعظت و نصیحت سے اثر پذیر ہوتی ہیں۔ نیز تصوف اپنے اسالیب میں گئے گزرے حالات میں بھی اگر نتیجہ خیزی کی ضمانت دے رہا ہو تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا حرماں نصیبی کے سوا کچھ اور نہیں، ہاں برتنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نصابِ روحانیت میں کونسی کتب شامل ہوں۔ مقصدِ تعلیم سے آگہی ہو تو یہ بھی کوئی دقیق مبحث یا لاینحل مسئلہ نہیں۔ روحانیت سے ہم تو تزکیہ و احسان ہی مراد لیتے ہیں۔ ایسا طرزِ عمل جس میں عبادات و معاملات سے لے کر معیشت و معاشرت تک سنور جائیں۔ گویا روحانیتِ اسلام اَخلاقِ محمدی کی تربیت کا ہی دوسرا نام ہے۔ رہا اَسرارِ طریقت کی دقیقہ شناسیوں اور فلسفہ ہائے وجود و شہود کی نکتہ آفرینیوں کا مسئلہ تو وہ عامۃ الناس کے لیے مطلوب ہے اور نہ ہی کسی درجے میں مقصود بلکہ اگر ماضی کے تجربات کو سامنے رکھا جائے تو کتبِ تصوف اور تعلیماتِ اخلاق

سیدھے سادھے دل نشیں انداز میں پیش کی جاتی رہی ہیں۔ شیخ سعدی کی ''گلستان و بوستان'' دراصل انہی عملی مقاصد کی تکمیل کے لیے نصاب مدارس کا حصہ رہی ہیں۔ گو بعد میں فارسی زبان دانی تک محدود ہو گئیں۔ رہا یہ سوال کہ نصاب میں اب کیا شامل ہو تو عرض ہے کہ پوری پوری کتابیں نہ متقدمین کی ضرورت ہیں نہ متأخرین کی بلکہ باقاعدہ ایک نصاب مُدَوّن کرنے کی ضرورت ہے۔ مدونین نصاب کے لیے موزوں یہی ہے کہ امہاتِ کتب تصوف کو ہی مدار بنایا جائے تاکہ اصل سرچشمہ خیر سے برکات سمیٹی جائیں۔

نصاب اگر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق بنانا ہے تو متقدمین، متوسطین، متاخرین اور دور جدید کے صوفیہ کرام کے افکار و تعلیمات پر مشتمل ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ اہم کتب تصوف سے عموماً مراد ابونصر سراج طوسی کی کتاب اللمع، ابوطالب مکی کی قوت القلوب، ابوالقاسم قشیری کا رسالہ قشیریہ، حضرت شیخ علی بن عثمان الہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیائے سعادت، شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوح الغیب، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی عوارف المعارف، مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات صدی، شیخ ابن عطاء اللہ سکندری کی اِکمالُ الشِیَم اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف معروف و مشہور ہیں۔ ترک رذائل کے لیے یہ کتب اکسیر ہیں۔ انسان دوستی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے پاک و ہند کے چشتی صوفیہ کی تعلیمات بڑی موثر ہیں۔ نیز رومی و جامی اور سعدی و حافظ کی شاعری سے بھی اقتباسات لیے جا سکتے ہیں۔

۔ مملکتِ خداداد پاکستان میں امن و آشتی اور اخوت باہمی کا پرچار کرنے کے لیے صوفی شعرا مثلاً سچل سرمست، شاہ عبد اللطیف بھٹائی، حضرت سلطان باہو، بابا بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید، میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا کلام سوغات سے کم نہیں۔ تصوف کے جدید نمائندگان میں حضرت واصف علی واصف، بابا جی عرفان الحق، پروفیسر محمود علی انجم، پروفیسر احمد رفیق اختر، سید سرفراز شاہ، عبد اللہ بھٹی کی کتب سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ نصابی تشکیل میں جناب احمد جاوید صاحب، پیر ذوالفقار نقشبندی، محمد موسیٰ بھٹو اور پروفیسر محمود علی انجم صاحبان ایسے عملی صوفیہ کرام، صاحبانِ مشاہدہ و بصیرت اور اربابِ فکر و نظر کی مشاورت نہایت کارآمد ہو گی۔

۳۔ کچھ لوگوں کی رائے میں موجودہ دور میں تصوف اور اس کے گوناگوں مظاہر ایک طرف خرافات و بدعات سے آلودہ ہیں تو دوسری طرف اباحیت زدگی اور وحدتِ ادیان ایسی سامراجی سازشوں کا من پسند موضوع، لہٰذا ایسی کسی سرگرمی سے اجتناب کیا جائے۔ اس خدشہ کا جواب یہ ہے کہ مغربی فکر سے مستعیر دینی تعبیرات تو تصوف بیزار حلقوں کا طرہ امتیاز ہیں نہ کہ وابستگانِ خانقاہ و تصوف کا مسئلہ، لہٰذا اصل پریشانی تصوف و خانقاہ کی نہیں۔ گو ہمیں اس سے ذرا انکار نہیں کہ اسے مقامی آلائشوں سے پاک مثالی طرز عمل میں ہی ڈھلنا چاہیے۔ رہیں بیرونی سازشیں تو مغربی ایجنڈے کی ترویج بذریعہ تصوف قبول ہے نہ تجدید و اجتہاد کے نام پر!

۴۔ کچھ لوگوں کے خیال میں جدید تصورِ ریاست تصوف سے ہم آہنگ نہیں۔ لہٰذا تعلیمات تصوف ریاستی سطح پر کیسے بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی خلطِ مبحث ہے۔ بنی نوع انسان کے مسائل اسی حرص و آز کے عفریت کی تباہ

کاریاں ہیں تصوف جن کا توڑ کرتا ہے۔ لہٰذا انسان دوستی، جمہوریت اور بہت سارے نظاموں کو برتنے والے اگر اس سرچشمہ خیر سے کچھ حاصل کرلیں تو کوئی حرج نہیں۔ اسلامی تصوف بھی شرف انسانیت، عدل و انصاف اور خدا خوفی کے جذبات ہی پیدا کرتا ہے۔ باقی یہ ملحوظ خاطر رہے کہ دنیا بھر میں اچھائی اور نیکی کی جتنی دعوت و تبلیغ بھی ہو، سارے لوگ اچھے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کائنات رنگ و بو میں یہ ممکن ہے۔ ہاں اپنے حصے کی اچھائی کی ترویج ضروری ہے۔

۵۔ تصوف کے نصاب تعلیم کا ایک علمی و تحقیقی فائدہ یہ ہوگا کہ مستقبل میں کالجز اور یونیورسٹیز میں اس مضمون میں اعلیٰ تحقیقی کام کے راستے کھلیں گے۔ متونِ تصوف اور مخطوطات پر کام سے ہمیں بزرگانِ دین کے افکار عالیہ کی عظمتوں سے شناسائی ہوگی۔ نیز ایسی علمی سرگرمی مغربی تہذیب کے غلبے کا مؤثر تریاق بھی ہو سکتی ہے۔

٦۔ تصوف بالخصوص پاک و ہند کا مزاج تصوف مجبور و مقہور انسانیت اور بے آسرا لوگوں کے جسمانی و روحانی عوارض کے علاج کا اہم گوشہ بھی رہا ہے۔ جس میں خدا ترس اور نیک لوگوں نے بڑی خدمت کی ہے۔ گو جعلی پیروں اور ڈھونگی عاملین کی تباہ کاریاں بھی کم نہیں تاہم ارتکاز توجہ، یکسوئی اور مراقبہ سے آج بھی ڈیپریشن اور کئی نفسیاتی جسمانی عوارض کا کامیاب علاج ممکن ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر جدید نفسیاتی اصولوں کے تحت ہم اس میں مزید تحقیق و جستجو کریں تاکہ سائنسی طرز پر نتائج حاصل کر سکیں اور بڑے پیمانے پر انسانیت کی خدمت ممکن ہو۔

۷۔ کچھ ارباب فکر و نظر کا خیال ہے کہ تصوف برتنے کی چیز ہے لہٰذا نصاب اور کتب کی ضرورت نہیں۔ ایسے لوگ بھی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جس طرح دین متین کا عمل صالح پر اصرار شرعی احکام سے آگہی سے خالی نہیں بلکہ عمل والوں کے لیے شریعت اسلامی نے فقہ و قانون میں جزئیات تک بڑی صراحت سے بیان کی ہیں۔ اسی طرح روحانی سفر کی منازل اور مقاصد سے آشنائی کتابی علم کے بغیر کیسے ممکن ہے سینکڑوں جلیل القدر مشائخ کی کتب اس بات کی غماز ہیں کہ عملی تربیت کے ساتھ ساتھ فکری و نظری طور پر مضامین تصوف سے شناسائی ضروری ہے۔ آج صحبت صالح کی کمی بھی اچھے لٹریچر سے پوری کی جا سکتی ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا فرمان عالی شان کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو کشف المحجوب کے مطالعہ سے اسے مرشد کامل مل جائے گا۔ لہٰذا کامل مرشد کی عدم موجودگی میں کتابی علم سے استفادہ پر ترغیب کی اس سے بہتر مثال کون سی ہو سکتی ہے۔ نیز یہ سب کچھ تو آج سے پانچ سو سال قبل کے حالات میں تھا آج تو اس طرز کی اہمیت کہیں دو چند ہو گئی ہے۔ جب کاملین بھی مثل کبریتِ احمر ناپید ہو گئے ہیں اور پھر صحبتِ شیخ کے لیے وقت نکالنا اس سے مشکل تر۔

۸۔ تصوف چونکہ مرشد کے زیر تربیت تزکیہ نفس، ذکر و فکر اور مجاہدہ و مراقبہ کا نام ہے جبکہ جدید اداروں میں لوگ ڈگری کے حصول کے لیے آتے ہیں لہٰذا کچھ لوگوں کے نزدیک سرے سے تصوف کو پڑھانا ہی غلط ہے کیونکہ یہ فقط حصول سند کی واردات رہ جائے گی یہ بھی ایک غلط فہمی ہے۔ کیا ہمارے نصاب میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی شمولیت کا یہ مطلب لیا گیا کہ اب مساجد، گھر یا مدارس دینیہ میں ان پر زور نہ دیا جائے۔ عملی تربیت کے مراکز ہمیشہ اور ہوا کرتے

ہیں جب کہ فکری تحریک وعقلی ترغیبات کی جولانگاہیں اور۔ کیا عجب کہ فکری ونظری شناسائی بالآخر کسی متبع سنت شیخ طریقت کی خدمت میں لے جائے۔ کم ازکم درجے میں اس فکری آگہی کی بدولت ایسا شخص جعلی پیری مریدی کی خرافات سے تو محفوظ رہے گا اور ویسے بھی روحانیت کے بنیادی عوامل تو تربیت اخلاق ہیں۔ فنا وبقا اور تلوین وتمکین کے مباحث نہ مطلوب ہیں نہ عامۃ الناس ان کے مکلف۔ اگر اخلاق محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم بنیادی انسانیت کو نکھار دے تو تصوف کے نام پر یہ سودا بہت نفع مند ثابت ہوگا۔

۹۔ کچھ لوگ جدید متصوفین جیسے سرفراز شاہ، پروفیسر احمد رفیق اختر یا ان کے دیگر معاصرین کے نام پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اچھے موٹیویشنل سپیکرز تو ہیں شریعت محمدیہ میں مطلوب تزکیہ واحسان کے اعلیٰ نمائندہ نہیں۔ یہ اعتراض وزنی ہونے کے باوصف مغالطہ دہ ہے کیونکہ معیار کی خاطر کسی چیز کو کلیتاً ترک کرنا بھی معقول طرز عمل نہیں۔ سچی بات ہے کہ اب ایسے لوگ بھی غنیمت ہیں کیونکہ عوام الناس کے ذہنی ونفسیاتی مسائل کو پیش نظر رکھ کر جس طرح انہوں نے لوگوں کو مخاطب کیا ہے، اس کا ردعمل اور عوامی پذیرائی ڈھکی چھپی نہیں نیز یہ سارا کچھ گئے گزرے دور میں تصوف کے حوالے سے عمومی تشنگی اور پیاس کا غماز بھی ہے۔ لہٰذا صحیح تصوف کے علم برداروں کو انہیں حریف کے بجائے حلیف اور ہم خیال گردانا چاہیے اور اپنے اسالیب میں دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کرنی چاہئیں تاکہ نئی نسل متوحش ہونے کے بجائے قریب آسکے۔

۱۰۔ نصاب روحانیت میں سیرتِ مقدسہ سے اقتباس ہونے چاہئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے سبق حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور اس کے بعد سلف صالحین کے تذکرے ہوں۔ چونکہ پاکستانی قوم مزاجاً تصوف سے یک گونہ مناسبت رکھتی ہے لہٰذا اخلاقی تربیت اگر اس عنوان سے ہوجائے تو کیا قباحت ہے۔

۱۱۔ نصاب روحانیت کا ایک عمومی فائدہ نوجوان نسل میں تصوف وروحانیت کے حوالے سے گویا بیداری شعور کی مہم برپا کرنے کے مترادف ہے جس سے کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہوگی اور استحصالی قوتوں کی پسپائی بھی۔ کیا خبر یہ بیدار مغزی قوم میں سچے روحانی اسلامی انقلاب کی پیش رفت ہو۔

۱۲۔ شدت پسندانہ مذہبی تعبیرات اور فرقہ وارانہ منافرت کے ماحول میں تعلیماتِ تصوف سے ہی امن وآشتی کی فضاء قائم ہوسکتی ہے کیونکہ تصوف کا مقصدِ وحید انسان کی دل داری ودل جوئی ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

مباش درپے آزار وہر چہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہ نیست